شاہ ولی اللہ کی کتاب "فنِ دانشمندی" کے حوالے سے آپ کے تدریسی اصول کا تجزیاتی مطالعہ

Shah Waliuallh's principles of teaching according to "Fani Danishmandi": A research analysis

ڈاکٹر کریم داد (اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامیات عبدالولی خان یونیورسٹی مردان)

سعید الحق جدون (ایم فل سکالر شعبہ قرآن و تفسیر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد)

Abstract

Teaching is the most effective source of imparting knowledge and transferring the ideas to others that is why this art has been acquired and practised from the creation of Mankind.Allah Almighty proved Hazrat Adam as the teacher of the angles.It is worth mentioning to note that besiades all the prestige of this art it requires a profound skillfulness and understanding of specific methodology of teaching.The ulama of the Islam whether they have passed in the early age or later have focussed upon the methodology of teaching.The renowned Scholar of 17th century,Shah waliullah(r.a) has introduced many methods and principles of teaching.From his book "Fani Danishmandi" there are some priciples have been collected in this article which shall provea guideline to researchers.

Keyword: Principle’s of Teaching, Shah Waliullah, Fani Danishmandi, knowledge.

اسلام کی بے شمار خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت یہ ہے، کہ اس نے علم حاصل کرنے کو فرض قرار دیا ہے [1]۔ انسانی زندگی میں بھی تعلیم کی ضرورت واہمیت کو ہر دور میں محسوس کیا جاتا رہاہے، ہر مذہب کے پیروکار تعلیم کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ علم کے حصول کا معروف ذریعہ "درس وتدریس" ہے، جب تدریس کا طریقہ موثر ہو تو نتیجہ بھی بہتر ہو گا، ورنہ فائدے کے بجائے نقصان ہو گا،اس لئے مسلمان مفکرینِ تعلیم نے تدریس کے طریقوں کی نشاندہیاں کی ہے،ان مفکرین نے جہاں تعلیم کی اہمیت پر زور دیاہے،وہاں تدریس کے اصول و قواعد بھی بیان کرتے ہوئے تدریس کے مؤثراور آسان طریقوں کے حوالوں سے راہنمائی بھی کی ہے۔ان مفکرین میں ایک ممتازماہر تعلیم شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جنہوں نے تدریس کے اصول و قواعد پر فارسی زبان میں مستقلاً ایک کتاب "فن دانشمندی " کے نام سے تحریر کی ہے، جس کی شرح آپ کے بیٹے شاہ رفیع الدین نے "تکمیل الاذھان" کے نام سے عربی میں لکھاہے۔اس آرٹیکل میں شاہ ولی اللہ ؒ کے تدریسی اصول و قواعد کاایک تحقیقی جائزہ آپ کی کتاب "فن دانشمندی" کے حوالے سے پیش کیا گیاہے،اور تائید کے لئے ساتھ ساتھ قرآن وسنت سے بھی استفادہ کیا گیاہے۔

اصولِ تدریس عہد قدیم سے مسلسل پڑھی جانے والی فن

آج کل سرکاری جامعات کے تعلیمی شعبوں میں اصول تدریس کے مضمون کو پڑھایا جاتا ہے، جب کہ دینی مدارس میں اس فن کو کوئی خاص توجہ نہیں دی جاتی۔ تاہم عمومی طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ یہ نیا مضمون ہے، حالانکہ شاہ ولی اللہؒ نے اس رسالہ میں یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی ہے، کہ یہ کوئی نیا مضمون نہیں ہے، بلکہ پہلے سے اس کے ماہرین موجود تھے، جنہوں نے اس فن کو سیکھا اور دوسروں کو سکھایا۔ شاہ صاحب نے فنِ اصولِ تدریس کو جن حضرات سے سیکھا اور انھوں نے جن اساتذہ ومشائخ سے سیکھا، تو ایک طویل سلسلہ سندانہوں نے اس کتاب کے شروع میں ان الفاظ میں بیان فرمایاہے: انہوں

"امابعد مے گوید فقیر ولی اللہ بن عبد الرحیم، ایں فن دانشمندی از والدِ خود کسب نمود، وایشاں از میر محمد زاہد، وایشاں از ملا محمد فاضل، وایشاں از ملایوسف قراباغی، وایشاں از مرزاجان، وایشاں از ملا محمود شیر ازی، وایشاں از ملا جلال الدین دوانی، وایشاں از والد خود ملا اسعد بن عبد الرحیم واز ملاالدین گازرانی، وایشاں ہر دو از ملا سعد الدین التفتازانی و از سید شریف جرجانی، وایشاں از قطب الدین رازی، وایشاں وملا سعد الدین تفتازانی ہر دو از قاضی عضد، وایشاں از ملازین الدین، وایشاں از قاضی بیضاوی، وایشاں راسندیست تا شیخ ابوالحسن اشعری در کتب تاریخ مشہور است"[2]۔

ترجمہ: امابعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا فقیر ولی اللہ بن عبد الرحیم کہتا ہے، کہ میں نے فن اصولِ تعلیم وتدریس اپنے والد عبد الرحیم سے حاصل کیا، اور انہوں نے میر محمد زاہد سے، انہوں نے ملا محمد فاضل سے، انہوں نے ملایوسف قراباغی سے، انہوں نے مرزاجان سے، انہوں نے ملا محمود شیر ازی سے، انہوں نے ملا جلال الدین دوانی سے، انہوں نے اپنے والد ملا اسعد بن عبد الرحیم اور ملاالدین گازرانی سے، ان دونوں نے ملا سعد الدین التفتازانی اور سید شریف جرجانی سے، انہوں نے قطب الدین رازی سے، اور انہوں نے اور ملا سعد الدین تفتازانی ہر دونے قاضی عضد، انہوں نے ملاّ زین الدین سے، انہوں نے قاضی بیضاوی سے، اور ان کی سند شیخ ابوالحسن اشعری تک پہنچی ہے، جو تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

مطلب یہ کہ اصول تدریس کو پہلے سے پڑھانے والے ماہرین موجود تھے، جو نسل در نسل اس فن کو پڑھاتے تھے، تاہم برصغیر میں اس فن کو تدوین وتحریر میں لانے کا بیڑا شاہ ولی اللہؒ نے اٹھایا، اس لحاظ سے آپ کی کتاب "فنِ دانشمندی" اس فن کی پہلی کتاب شمار کی جاتی ہے[3]۔

اصول تدریس بیان کرنے کا مقصد

تدریسی سلسلہ تو روزِ اول سے شروع ہے، اب تدریس کے ساتھ اصول تدریس پڑھنے اور پڑھانے کی ضرورت کیوں پیش آئی، اس کی بنیادی وجہ کتاب فہمی ہے۔ تاکہ طلبہ آسانی سے کتاب کو سمجھیں، اس فائدہ کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ ولی اللہؒ فن دانشمندی کے ابتدائی صفحات میں تحریر فرماتے ہیں:

"اگر کوئی یہ سوال کرے کہ علمِ اصول تعلیم کا کیا مقصد ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ اس کا بڑا مقصد کتاب دانی یعنی کتاب فہمی" ہے[4]۔

شاہ صاحب کے نزدیک اصولِ تدریس

شاہ ولی اللہؒ کے ہاں تدریس کے اہم اصول درج ذیل ہیں۔ ان اصول کا تعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ اگر کوئی عالم شاگردوں کو کوئی کتاب پڑھانا چاہے تو عقل و تحقیق کے مراتب کا لحاظ کرتے ہوئے اس استاد کو ان باتوں کو مد نظر رکھنا ضروری ہے[5]۔

یہ اصول درج ذیل ہیں:

طالب علم کو حصولِ علم کے لیے متوجہ کرنا

طالب علم کا اپنے استاذ سے بے توجہی برتنا اور استاذ کے کلام کا مفہوم سمجھنے کی کوشش نہ کرنا دراصل علم سے بے توجہی کی علامت ہوتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ دورانِ درس استاذ اپنے شاگردوں پر نظر رکھے۔ درس میں شاگردوں کی توجہ حاصل کرنے کے لیے استاذ کو اتصال سمعی اور اتصال بصری کا خیال رکھنا چاہیے۔

1 اتصالِ سمعی: اس کا مطلب یہ ہے کہ استاذ کی آواز شاگرد کے گوش گزار ہو۔

2 اتصال بصری: یعنی شاگردوں پر استاذ کی نظر ہو۔

اتصال سمعی کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات کی ضرورت ہوتی ہے:

1. اسلوبِ استنصات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کا خطبہ دینے سے پہلے جریر بن عبد اللہ البجلی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"استنصت الناس "لوگوں کو خاموش کرادو[6]۔

چونکہ یہ کثیر اجتماع حجۃ الوداع کے موقع پر تھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مناسکِ حج میں مشغول تھے، اس لیے ان کو خطبہ اور دینی امور کی تعلیم دینا مشکل تھا، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جریر بن عبد اللہ البجلی رضی اللہ عنہ کو لوگوں کو خاموش کرانے کا حکم دیا۔

2. اسلوبِ نداء

یہ طریقہ انتہائی مفید ہے کہ درس شروع کرنے سے پہلے طلباء کو آواز دی جائے، بلکہ بعض دفعہ درس کے دوران بھی ندائیں دی جاتی ہیں۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"صعد النبي ﷺ المنبر وكان آخر مجلس جلسه متعطفاً ملحفة على منكبيه قد عصب رأسه بعصابة دسمة، فحمد الله وأثنى عليه ثم قال: أيها الناس إلي. فثابوا إليه"[7]

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری مجلس تھی آپ بیٹھے اس حال میں کہ اپنے دونوں مونڈھوں پر چادر لپیٹے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی پھر فرمایا کہ اے لوگو! میرے پاس آؤ تو لوگ آپ کے گرد جمع ہوئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ (أيها الناس إلي) ملاحظہ کریں اور ان الفاظ کا نتیجہ بھی دیکھئے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نداء کو سن کر صحابہ کرام فورا آپ کی طرف متوجہ ہوئے۔

3. غور سے سننے پر ابھارنا

طلباء کی توجہ کے حصول کا یہ بہترین طریقہ ہے اس لیے کہ امر والتزام والی عبارات سے اکثر طبائع نفرت کرتی ہیں۔ لہٰذا مناسب یہی ہے کہ استاذ حواس کے توجہ اور انجذاب کے حصول کے لیے غیر مباشرتی طریقے اختیار کرے، تاکہ نفس بخوشی اس درس کو قبول کرے۔ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"خذوا عني، خذوا عني. قد جعل الله لهن سبيلاً.البكر بالبكر. جلد مائة ونفي سنة والثيب بالثيب،جلد مائة والرجم"[8]۔

ترجمہ: مجھ سے احکام لے لو، مجھ سے احکام لے لو، اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے بارے میں احکام نازل فرمائے کہ غیر شادی شدہ مرد اور عورت کو سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال تک ان کو جلا وطن کیے جائیں، اور شادی شدہ مرد اور عورت کو سو کوڑے مارے جائیں اور ان کو رجم کیا جائیں۔

اس حدیث کے الفاظ "خذوا عني، خذوا عني" آنے والی خبر کی طرف متوجہ کرنے اور ترغیب دلانے کے لیے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ علم کی طرف طالبِ علم کو متوجہ کرنے کے لیے کبھی مباشرتی طریقے کارگر ہوتے ہیں اور کبھی غیر مباشرتی طریقے۔ غیر مباشرتی طریقوں میں درج ذیل امور بجالانے چاہئے:

1. طریقہ کلام واضح

اس کا مطلب یہ ہے کہ کلام کو رُک رُک کر کیا جائے تا کہ مخاطب کو کلام سمجھنے میں تکلیف نہ ہو، اس لیے کہ علمی کلام جلدی سے کرنا نسبتاً زیادہ مفید نہیں ہوتا۔ البتہ کلام اتنا ڈھیلا بھی نہ ہو کہ اکتاہٹ پیدا کرے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"ما كان رسول الله ﷺ يسرد كسردكم هذا، ولكنه كان يتكلم بكلام بين فصل، يحفظه من جلس إليه"[9]۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری طرح جلد بازی نہیں فرماتے بلکہ کلام کو رُک رُک کر اس طرح فرماتے کہ بیٹھا ہوا آدمی اسے حفظ کر سکتا تھا۔

تفصیل و تشریح کرتے وقت ترسّل اور توسّط کا لحاظ رکھنا اور سرعت و کسالت سے اجتناب کرنا ضروری ہے جو کہ طالبِ علم کے ذہن میں بات بٹھانے کا ضامن طریقہ ہے۔ کلام میں تکلف کرنا شرعی، حسی اور عقلی اعتبار سے مذموم ہے۔ اسی طرح کلام میں تکلف اور غریب الفاظ کے استعمال سے استاذ اور طالبِ علم کے مابین نفرت بڑھ جاتی ہے۔

2. کلام میں تصنع سے اجتناب

کلام میں تصنع سے مراد کلام میں بے جا مبالغہ، لفاظی اور طوالت ہے۔ یہ عادت شرعاً اور عقلاً ہر لحاظ سے مذموم اور طلباء کی طبیعتوں پر بلاضرورت بوجھ ڈالنا ہے۔ یہ عادت تکبر کی علامت ہوتی ہے اس لیے اس سے بچنا ضروری ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحَاسِنَكُمْ أَخْلَاقًا وَإِنَّ أَبْغَضَكُمْ إِلَيَّ وَأَبْعَدَكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الثَّرْثَارُونَ وَالْمُتَشَدِّقُونَ وَالْمُتَفَيْهِقُونَ»قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ عَلِمْنَا الثَّرْثَارُونَ وَالْمُتَشَدِّقُونَ فَمَا الْمُتَفَيْهِقُونَ قَالَ « الْمُتَكَبِّرُونَ"[10]۔

ترجمہ: بے شک تم میں میرا سب سے پسندیدہ اور مجھ سے زیادہ قریب نشست والا شخص قیامت کے دن وہ ہوگا جس کے اخلاق اچھے ہوں اور تم میں میرا سب سے ناپسندیدہ اور مجھ سے زیادہ بعید نشست والے قیامت کے دن فضول بکواس کرنے والے، باتوں میں ٹھٹھا اور تفاخر کرنے والے ہوں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد ہے:

"إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يُبْغِضُ الْبَلِيغَ مِنَ الرِّجَالِ الَّذِي يَتَخَلَّلُ بِلِسَانِهِ تَخَلُّلَ الْبَاقِرَةِ بِلِسَانِهَا"[11]

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ متفاصح، متقعر اور متمعق متکلم کو ناپسند کرتا ہے جس طرح کہ گائے اپنی زبان کے ساتھ کرتی ہے۔

3. تدریس کے دوران آواز کو بلند کرنا

استاذ کے لیے ضروری ہے کہ تعلیم و تدریس کے دوران اپنی آواز کو مجمع کی مناسبت سے بلند رکھے، تاکہ تمام طلباء بلا تکلف مستفید ہو سکیں سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"تخلف عنا النبي ﷺ في سفرة سافرناها فأدركنا وقد أرهقتنا الصلاة ونحن نتوضأ فجعلنا نمسح على أرجلنا فنادى بأعلى صوته ويل للأعقاب من النار مرتين،أو ثلاثا"[12]

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں ہم سے پیچھے رہ گئے۔ آپ ہمارے پاس ایسے وقت تشریف لائے جب نماز کی دیر ہو چکی تھی اور ہم وضو کر رہے تھے۔ ہم پاؤں کو مسح کرنے لگے تو آپ نے بآوازِ بلند آواز دی کہ خشک ایڑیوں کے لیے جہنم کی آگ کی ہلاکت ہو۔ یہ بات آپ نے دو یا تین مرتبہ دہرائی۔

اس حدیث پر امام بخاریؒ نے جو باب باندھا ہے اس کا نام "باب من رفع صوته "بالعلم ہے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَعَلاَ صَوْتُهُ وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ"[13]

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تھے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں, آواز بلند ہو جاتی اور رعب بڑھ جاتا۔

لہٰذا طلباء کو متنبہ کرنے اور ذہنی غفلت سے بیدار کرنے کے لیے آواز میں تیزی لانا ایک اہم گُر ہے۔ تعلیم کے دوران آواز بلند کرنا سامعین کو متنبہ کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ معلم کا کلام کو درمیان میں قطع کرنا طلباء کے درمیان سرگوشیوں اور استاذ کے افکار کو پراگندہ کرنے کا سبب بنتی ہے۔

اتصالِ بصری: اس اتصال کو برقرار رکھنے کے لیے استاذ کو مندرجہ ذیل اصول اپنانا ضروری ہیں:

1. استاذ اور طالبِ علم کے مابین اتصالِ نظری کا دوام

استاذ کو چاہیے کہ درس کے دوران تمام طلباء اس کے زیرِ نظر رہیں۔ اس طریقے سے وہ غافل طالب علموں کو متنبہ کرے گا، اونگھنے والوں کو جگائے گا اور کھیلنے والوں کو زجر دے گا۔ استاذ اپنی نظر کو ایک معین سمت تک محدود نہ رکھے، بلکہ ہر طرف کو نگاہ دوڑائے یہاں تک کہ تمام طالب علموں کو یقین ہو جائے کہ استاذ تدریس کے

دوران ان سے غافل نہیں۔ تدریس میں سماعت اور بصارت قوی ترین ذرائع ہیں۔ اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ استاذ کی نشست طالب علموں کی نشستوں سے تھوڑی بلند ہو اس مقصد کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے منبر بنادیا گیا تھا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"جاء رجل والنبي ﷺ يخطب الناس يوم الجمعة فقال أصليت يا فلان قال:لا قال قم فاركع"[14]

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ فرمارہے تھے کہ ایک آدمی آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ اے فلاں! کیا تم نے نماز پڑھی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ اور نماز پڑھو۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"إن النبي ﷺ جلس ذات يوم على المنبر وجلسنا حوله"[15]۔

ترجمہ: بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن منبر پر تشریف فرما ہو گئے اور ہم آپ ﷺ کے گرد بیٹھ گئے۔

ارد گرد بیٹھنے کا مقتضاء یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو متوجہ ہو کر آپ کو دیکھ رہے تھے، تو اسی طرح استاذ کے سامنے طالب علموں کے بیٹھنے کا مقصد یہ ہے کہ استاذ ان پر نظر رکھیں اور وہ استاذ کی طرف توجہ سے دیکھنے لگیں۔ اس حدیث کو لانے کے لیے امام بخاریؒ نے باب باندھا ہے: باب يستقبل الإمام القوم،واستقبال الناس الإمام إذا خطب

2. چہرے کے تاثرات کا استعمال

یہ طریقہ تعلیم میں بہت مفید ہے، لہٰذا اس کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ یہ طریقہ اکثر مواقع پر استاذ کو تکلم سے بے نیاز کرتا ہے، اس لیے کہ اس کے چہرہ یا نظروں سے ہی رضا یا غضب کے اثرات نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اس طریقہ سے تدریس کے درمیان قطع کلامی کی ضرورت بھی نہیں ہوتی اور مطلوبہ مقصد بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اس طرح تدریس میں استمرار بھی باقی رہتا ہے اور وقت کا ضیاع بھی نہیں ہوتا۔ مثلاً کسی کو تیز نظروں سے دیکھنا، چہرے پر غصہ اور ناپسندیدگی کے آثار پیدا کرنا یا چہرے پر تبسم اور کلام میں پسندیدگی کے آثار پیدا کرنا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"دخل علي رسول الله ﷺ وفي البيت قرام فيه صور فتلون وجهه ثم تناول الستر فهتكه وقالت قال النبي ﷺ:من أشد الناس عذاباً يوم القيامة الذين يصورن هذه الصور"[16]۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں داخل ہوئے جب کہ گھر میں ایک پردہ تھا جس پر تصویریں تھیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا پھر آپ ﷺ نے پردہ لے کر پھاڑ ڈالا۔ آپ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کو لوگوں میں سب سے زیادہ عذاب ان لوگوں کا ہو گا جو یہ تصویریں بناتے ہیں۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"أن النبي ﷺ رأى نخامة في القبلة فشق ذلك عليه حتى رئي في وجهه فقام فحكه بيده فقال إن أحدكم إذا قام في صلاته ، فإنه يناجي ربه ، أو إن ربه بينه وبين القبلة فلا يبزقن أحدكم قبل قبلته ولكن عن يسارهأو تحت قدميه ثم أخذ طرف ردائه فبصق فيه ثم رد بعضه على بعض فقالأو يفعل هكذا"[17]

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی طرف بلغم دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ گراں گزرا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر اس کے آثار دیکھے گئے۔ پس آپ ﷺ نے اُٹھ کر اپنے دست مبارک سے اسے صاف کر دیا اور فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی اپنی نماز میں کھڑے ہو تو وہ اپنے رب سے مناجات کرتا ہے، یا اس کا رب اس کے اور قبلہ کے مابین ہوتا ہے۔ پس تم میں سے کوئی بھی اپنے قبلہ کی طرف نہ تھوک لے بلکہ اپنے بائیں طرف یا اپنے قدموں میں تھوکے، پھر اپنی چادر کی ایک طرف پکڑ کر اس میں تھوک لیا اور لپیٹ لیا، پس فرمایا: اس طرح کر لیا۔

قلیل الاستعمال الفاظ کی توضیح اور مشکل عبارات کی تسہیل

عربی میں پڑھے پڑھائے جانے والے تمام علوم میں استاد کو چاہیے، کہ وہ طلبہ کو اسماء اور افعال کے مشتقات، ابواب کی تعیین، خاصیاتِ ابواب، اعراب اور ترکیب وغیرہ متعین کرے، جس لفظ کی ادئیگی میں طلبہ کو ابہام ہو اس کا تجویدی قواعد کے ساتھ وضاحت کرے۔ یا فقہ میں بعض اوقات متن ایسی مشکل عبارت سے ذکر کی جاتی ہے، جس سے طلبہ اس مسئلے کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتے، جیسے: ومسألة البئر جحط[18]۔"جحط"صرف و نحو کا کوئی قاعدہ نہیں ہے، بلکہ ایک فقہی مسئلے کا مخفف انداز میں ذکر ہے، جس کی وضاحت کرنی چاہیے۔ تدریس میں اس ضبطِ مشکل کے قاعدے کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

"تعلیم کتاب کے دوران، متن میں سے سبق کے لیے پڑھی گئی عبارت میں موجود اسماء وافعال کی وضاحت کر دیں اور اس وضاحت میں ان کے معنی متعین کر دیں اور اگر ان میں الفاظ یا ابواب کے لحاظ سے کوئی مشکل ہو تو اعراب و سکون کے لحاظ سے اس کو واضح کر دیں۔ اسی طرح اس کا معجمہ یا

مہملہ یعنی نقطہ دار یا بے نقطہ ہونا بتا دیا جائے، تا کہ عبارتی غلطی خواہ تقریر کے لحاظ سے ہو یا تحریر کے لحاظ سے، اس سے طالب علم محفوظ رہے"[19]

تدریس کے دوران غریب الفاظ کی شرح کرنا استاد کی ذمہ داری ہے۔ یہ اصول عموماً اصولِ فقہ، علمِ عروض اور علم الکلام میں لاگو ہو سکتا ہے، جیسے امام ابو حنیفہؒ فقہ اکبر میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں فرماتے ہیں:

" وَهُوَ شَيْء "[20] وہ (اللہ تعالیٰ) شئ ہے۔

اردو محاورہ میں شیئ کسی بے جان چیز کو کہا جاتا ہے، جب اس لفظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر کریں اور مخاطب اس لفظ کی حقیقت[21] نہ جانتا ہو تو وہ کیا سمجھے گا؟ اس لئے شاہ صاحب نے غریب الفاظ کی وضاحت کو تدریس کا ایک اہم حصہ قرار دیا ہے، تحریر فرماتے ہیں:

> "اگر دوران تدریس متن میں کوئی ایسا لفظ یا الفاظ آجائیں، جو قلیل الاستعمال ہوں، یا عموماً وہ لفظ یا تو استعمال ہوتا ہو یا نہیں لیکن طلباء میں وہ لفظ کسی اور مفہوم میں بدل کر استعمال ہوتا ہے، تو اس کے بارے میں طلباء کو واضح کر دینا ضروری ہے، اور اس لغوی مطلب اور اصطلاحی مطلب اور اس فن میں اس لفظ کے استعمال سے جو مطلب لیا جاتا ہے، یہ سب کچھ وضاحت کے ساتھ بیان کر دینا چاہئے"[22]۔

یہ اصل تمام علوم کی تدریس میں پیشِ نظر رکھنا چاہیے، بالخصوص قرآن کی تفسیر میں۔ قرآنِ کریم کی عبارت کا مفہوم عیاں نہ ہونے سے بعض اوقات معاملہ کفر تک پہنچ جاتا ہے، جیسے: وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ[23] میں ابراہیم پر زَبَر اور رَب پر پیش کی صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ ابراہیم کو اس کے رب نے آزمایا، جبکہ ابراہیم پر پیش اور رَب پر زَبَر کی صورت میں معنیٰ الٹ ہو جائے گا، جو صریحاً کفر ہے۔ اسی طرح استاد کو چاہیے کہ وہ عبارت سے اغلاق کو نکال دے، جیسے: وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا فَالْمُورِيَاتِ قَدْحًا فَالْمُغِيرَاتِ صُبْحًا[24] کا مفہوم اس وقت تک واضح نہ ہو گا جب تک ان الفاظ کے معنیٰ کی تشریح نہ کی جائے، اسی طرح عربی ادب کی کتابیں مثلاً مقاماتِ حریری، سبع المعلقہ، حماسہ وغیرہ میں بھی مغلق عبارات اور الفاظ کے معانی بیان کرنا ضروری ہیں۔ اس قاعدے کے بارے میں شاہ ولی اللہؒ قمطراز ہیں:

> "عبارت میں موجود مشکل معنیٰ والی عبارت یا ترکیب ہو تو اس کی وضاحت کر دی جائے، اور اگر کوئی صیغہ ایسا مشکل ہو، جس کی وضاحت طلباء کے لئے مشکل ہو یا طالب علم کے ذہن پر گراں ہو تو اس کو علم صرف و نحو کے قواعد کے پیش نظر حل کر دے"[25]۔

طالب علم کے عقل و فہم کے مناسب اسلوب پر درس دینا

ایک ہی جماعت کے طالب علم مختلف فہم وادراک اور ذہنیت کے مالک ہوتے ہیں۔ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بندہ کو اختیار دیا کہ دنیا کی زیب وزینت یا اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کو اختیار کرے, اس نے اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کو اختیار کیا۔ تو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا کہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا گیا تھا اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اسے ہماری نسبت خوب سمجھتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "عبد" مبہم ذکر فرمایا تاکہ اہلِ معرفت ودانش کو پہچان لے[26]۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

"مَا أَنْتَ بِمُحَدِّثٍ قَوْمًا حَدِيثًا لاَ تَبْلُغُهُ عُقُولُهُمْ إِلاَّ كَانَ لِبَعْضِهِمْ فِتْنَةً"[27]۔

ترجمہ: جب تو کسی قوم سے ایسی بات کہتے ہو جس تک ان کے عقول کی رسائی نہیں ہوتی تو یہ ان میں سے بعض کے لیے فتنہ ہوتا ہے۔

لہٰذا ایسی باتوں اور درس وتدریس کی ممانعت ہے جن تک ان کی رسائی ناممکن ہو۔ امام غزالی فرماتے ہیں:

"أن يقتصر بالمتعلم على قدر فهمه فلا يلقى إليه ما لا يبلغه عقله فينفره أو يخبط عليه عقله"[28]۔

ترجمہ: طالب علموں کو ان کے افہام کے بقدر درس پر اکتفاء کرے اور ان سے ایسی بات نہ کرے جس تک ان کے عقول نہ پہنچ سکتے ہوں ورنہ طالب علم کو متنفر کر دے گا اور اس پر طالب علم کا عقل ضائع ہو جائے گا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

"لَوْ أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ الْحَسَنِ كَانَ يُكَلِّمُنَا عَلَى قَدْرِ عَقْلِهِ مَا فَهِمْنَا عَنْهُ لَكِنَّهُ كَانَ يُكَلِّمُنَا عَلَى قَدْرِ عُقُولِنَا فَنَفْهَمُهُ"[29]۔

ترجمہ: اگر محمد بن حسن اپنی عقل کے مطابق ہم سے کلام فرماتے تو ہم اس کو نہ سمجھ سکتے لیکن وہ ہم سے ہماری عقل کے مطابق کلام کرتے تو ہم اسے سمجھ جاتے۔

فہم، سرعتِ جواب اور تسلیم و انقیاد کے اعتبار سے لوگوں کے عقل مختلف ہوتے ہیں، اس لیے بعض طالب علم صرف دلیل سے مطمئن نہیں ہو جاتے، جب تک کہ دلیل کے ساتھ ساتھ کوئی حکمت نہ بتائی جائے۔ بعض طالب

علموں کو کوئی مسئلہ اس وقت تک سمجھ میں نہیں آتا، جب تک کہ اس مسئلے کے تمام پہلوں اس کے سامنے کھول نہ دیئے جائیں اور مکالمہ کی صورت میں بیان نہ کیے جائیں۔ سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"ایک نوجوان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے زنا کی اجازت دیں تو حاضرین نے متوجہ ہو کر اسے ڈانٹا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے قریب ہو جاو تو وہ قریب آکر بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو اپنی ماں کے لیے یہ کام پسند کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ اللہ کی قسم پسند نہیں کرتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ بھی اپنی ماؤں کے لیے یہ پسند نہیں کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو اپنی بیٹی کے لیے یہ کام پسند کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ اللہ کی قسم پسند نہیں کرتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لیے یہ پسند نہیں کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو اپنی بہن کے لیے یہ کام پسند کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ بھی اپنی بہنوں کے لیے یہ پسند نہیں کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تو اپنی خالہ کے لیے یہ کام پسند کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ بھی اپنی خالاوں کے لیے یہ پسند نہیں کرتے۔ فرمایا کہ آپ ﷺ نے اس پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اے اللہ اس کی گناہ معاف کیجیے اور اس کا دل پاک کیجیے اور اس کی شرم گاہ محفوظ کیجیے۔ اس کے بعد اس نوجوان نے کسی چیز کی طرف بھی توجہ نہ کی[30]۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت، حسنِ تعلیم اور حسنِ تعامل کی دلیل ہے، کہ اس نوجوان کی انتہائی نازیبا اجازت طلب کرنے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اسے ڈانٹا اور نہ یہ فرمایا کہ زنا کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور اس پر اتنی سزا مقرر کر دی ہے، بلکہ احسن طریقے سے سمجھایا۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي وُلِدَ لِي غُلَامٌ أَسْوَدُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنَّى كَانَ ذَلِكَ قَالَ مَا أَدْرِي قَالَ فَهَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَمَا أَلْوَانُهَا قَالَ حُمْرٌ قَالَ فَهَلْ فِيهَا جَمَلٌ أَوْرَقُ قَالَ فِيهَا إِبِلٌ وُرْقٌ قَالَ فَأَنَّى كَانَ ذَلِكَ قَالَ مَا أَدْرِي يَا رَسُولَ اللَّهِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ نَزَعَهُ عِرْقٌ قَالَ وَهَذَا لَعَلَّهُ نَزَعَهُ عِرْقٌ"[31]۔

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر سوال کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ میرا ایک کالا بچہ ہو چکا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیسا ہوا تو اس شخص نے کہا کہ مجھے علم نہیں ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نے فرمایا کہ کیا آپ کا اونٹ

ہے تو وہ کہنے لگا کہ ہاں ہے پھر آپ نے پوچھا کہ اس کا رنگ کیسا ہے تو اس شخص نے جواب دے دیا کہ اس کا رنگ سرخ ہے تو آپ نے کہا کہ کیا اس میں گندمی اونٹ ہے۔

مثال سے مسئلے کی وضاحت کرنا

مشکل اور پیچیدہ مباحث کو طالب علموں کے ذہن نشین کرانے کے لیے بعض اوقات استاذ کو ایسے ضرب الامثال استعمال کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جو طالب علموں کے ذہنی استعداد کے موافق ہوں۔ اس طرح سے مشکل اسباق آسانی کے ساتھ طالبِ علموں کے ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلاً كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِتُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ"[32]

ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کی کیسی مثال بیان فرمائی ہے وہ ایسی ہے جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑ مضبوط ہو اور شاخیں آسمان میں پھیلی ہوں۔ وہ اپنے پروردگار کے حکم سے ہر موقع پر پھل لاتا ہو اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "شَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ" سے مراد مومن ہے اور "أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ" سے مراد یہ ہے کہ مومن زمین میں نیک اعمال اور اقوال کرتا ہے اور وہ اعمال واقوال آسمان میں پہنچ جاتے ہیں[33]۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إن مثلي ومثل الأنبياء من قبلي كمثل رجل بنى بيتا فأحسنه وأجمله إلا موضع لبنة من زاوية فجعل الناس يطوفون به ويعجبون له ويقولون هلا وضعت هذه اللبنة قال فأنا اللبنة وأنا خاتم النبيين[34]"

ترجمہ: میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے ایک حسین و جمیل گھر بنالیا ہو مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہو، تو لوگ اس کے گرد چکر لگا کر حیران ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہی اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔

تدریس میں ایک مثال ہزار الفاظ سے بہتر ہے۔ یہ قاعدہ عموماً فقہ، ریاضی، طبعیات اور کیمیا وغیرہ میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر علوم میں بھی اس سے استفادہ لیا جاسکتا ہے۔ اس لئے شاہ صاحب نے مثال سے سمجھانے کو اصول بنا کر لکھا ہے:

"اگر کتاب میں کوئی بات اس انداز ے سے کہی جا رہی ہو جو طالب علم کی فہم میں آسانی کے ساتھ نہیں آ رہی ہو، تو اس کی صورت بنالی جائے اور عبارت میں اس کو کھول کر بیان کیا جائے اور اس کی مثال ذکر کی جائے، تاکہ طالب علم کے ذہن میں بات آجائے"[35]۔

زیر بحث موضوع کا اجمالی خاکہ اور وجۂ حصر بیان کرنا

استاد کو چاہیے کہ وہ پہلے اجمال اور پھر تفصیل کے ساتھ تدریس کرے۔ یہ اصول اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ استاد کو لیکچر دیتے وقت پہلے اجمالی خاکہ پیش کرنا چاہئے، پھر اس اجمال کی تفصیل کرنی چاہئے، تاکہ طلباء آسانی سے سمجھ سکیں۔ امام بخاریؒ نے بھی "القراءة والعرض على المحدث"[36] کے تحت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس اصول کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ شاہ صاحب نے بھی اس اصول کو اس انداز میں بیان فرمایا ہے:

"اس مسئلہ میں یہ بات زیر بحث ہے کہ دلائل اس انداز میں پیش کیے جائیں تاکہ وہ سامعین وطالبین کے ذہن کی عکاسی کریں لہٰذا اگر کتاب میں کسی مسئلے پر کوئی دلیل قائم کی گئی ہے، یا مزید دلیل قائم کرنا مقصود ہے، تو دلائل سے قبل مقدمات دلیل یا مقدمات نتیجہ طلباء کے سامنے ضرور واضح کر دیا جائے ورنہ طالب علم کا ذہن لایعنی تشویشات میں الجھ جائے گا، جبکہ ہمارے اس عمل سے طالب علم کی تربیت کرنا مقصود ہے اور اگر اس مقدمہ کو سمجھانے کی ضرورت کسی اور مقدمہ سے ہو تو اس کو بھی واضح کر دیا جائے، یا اگر مدعا کسی نتیجہ میں چھپا ہوا ہے تو ایسی صورت میں ان مقدمات سے کام لینا چاہیے جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو اور ہمارا اصل مدعی بھی مکمل طور پر واضح ہو جائے"[37]۔

اصطلاحات کی تعریف اور قواعد کلیہ کی وضاحت

شاہ صاحب کا خیال ہے کہ ایک استاد جس فن کو پڑھاتا ہے، اس کو چاہیے کہ وہ اس فن کے تمام اصطلاحات سے طلباء کو آگاہ کرے۔ اگر طلبہ کو اصطلاحات کا علم نہ ہو، تو درس ان پر بھاری ہو گا۔ اس باب میں ایک اہم کتاب "کشاف اصطلاحات الفنون[38]" ہے، شاہ صاحب اصطلاحات کی وضاحت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"کسی بھی علم میں کسی بھی موضوع کو بیان کرتے وقت اس میں مذکور اصطلاحات کی تعیین اور ان کی تعریف کرنا مقصود ہو تو اس کی حدود و قیود کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کو بیان کر لیا جائے، اور اگر کسی قید میں کمی ہو تو اس کو پورا کر لیا جائے۔ اس اصطلاح کی اقسام بناتے ہوئے بات پھیلانا یا وجہ حصر کے

طریقے سے اختراع امور کی تعیین کرتے ہوئے ان کی جامع حد معلوم کرنا، تاکہ جو اسکے لوازمات حکم ہیں باہر نہ رہیں اور جو خوارجات حکم ہیں وہ اس کے اندر داخل نہ ہو جائیں، اور تعریف شرح وبسط سے سارے لوازمات کو شامل ہو جائے"[39]۔

درس کے درمیان جو قواعد ہوں، ان قواعد کی وضاحت کرنی چاہیے، مثلاً کوئی مدرس کتاب پڑھاتا ہو اور درمیان میں عبارت آئی جس میں نحو کا قاعدہ" کل فاعل مرفوع"[40] جاری ہو تا ہو، تو اس کی وضاحت کرنی چاہیے۔ اسی طرح دیگر علوم کا کوئی قاعدہ آجائے تو اس کی تشریح ضروری ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

" قاعدہ کلیہ کو اس انداز میں اچھی طرح واضح کر دیا جائے کہ اس میں لازمی حدود و قیود کو بھی ذکر کیا جائے اور اس سے بننے والی اقسام کو واضح انداز میں مثالوں سمیت بیان کر دیا جائے اور اس میں اگر کوئی شرائط وغیرہ پائی جائیں تو ان کو اس انداز سے یوں ذکر کر دیا جائے کہ کوئی شرط یا قید ایسی نہ رہ جائے جو اس قاعدے کا فائدہ محدود کر دے"[41]۔

تدریس کے دوران ابواب یا اقسام کے ذکر میں وجۂ حصر بیان کرنا چاہیے۔ اس میں مناطقہ بڑی مہارت رکھتے ہیں۔ فی زمانہ مدرسین میں بہت کم لوگ ایسے ہیں جو تدریس میں وجہ حصر بیان کرتے ہیں۔ شاہ صاحب اس اصول کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اگر کسی چیز کی تعریف کے بعد اس کو مختلف اقسام میں تقسیم کرنا مقصود ہو تو وجہ حصر استقرائی طریقہ سے یا عقلی دلیل کے ذریعے بیان کرنا چاہیے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ اصل مطلوب اپنی مختلف قسموں میں بند ہے اس سے باہر نہیں اور اسی طرح یہ بات بھی واضح کر دی جائے، کہ اس تقسیم میں ایک بات کو مقدم کیوں کیا ہے، اور دوسری کو مؤخر کیوں کیا گیا؟ ان اصول و قواعد وغیرہ کو اچھی طرح بیان کر دیا جائے"[42]۔

مفتی رشید احمد علوی، شاہ ولی اللہؒ کے اس قاعدے کی تشریح مثال سے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وجۂ حصر کی مثال یہ ہے: مثلاً یوں کہا جائے کہ علم جو ہم حاصل کرتے ہیں، دو حال سے خالی نہیں ہو گا، دنیا میں اس کی منفعَت مقصود ہو گی یا آخرت میں، اگر صرف دنیا میں مقصود ہو، تو فن ہے، جیسے علم زراعت، علمِ نجوم، علمِ کیمیا، علمِ طبیعیات، علمِ کمپیوٹر، اور علمِ لائبریری وغیرہ۔ جن علوم کی منفعت آخرت میں ہے، وہ مقصود ہیں، یا ذریعہ مقصود، جو ذریعہ مقصود ہیں، وہ علوم اُلیہ کہلاتے ہیں، جیسے علمِ نحو، علمِ صرف، علمِ جراحت، علمِ منطق، علمِ ادبِ عربی، علمِ شعر، علم عروض و قوافی وغیرہ۔

جو علوم مقصد ہیں، وہ تین حال سے خالی نہیں، امت کے اجماع سے معلوم ہوئے، یا نبی کے ذریعے معلوم ہوئے، یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے معلوم ہوئے، اجماع سے معلوم ہونے والے علم کو علم اختلاف الامہ کہتے ہیں، نبی سے معلوم ہونے والا علم قولی ہو گا، فعلی ہو گا، یا تقریری ہو گا۔ قول کے ذریعے حاصل ہوئے علم کو علم الحدیث، تقریر کے ذریعے حاصل ہوئے علم کو علم الآثار، فعل یا عمل کے ذریعے حاصل ہوئے علم کو علم السنہ کہا جاتا ہے، اور اللہ سے حاصل ہونے والا علم دو حال سے خالی نہیں، یا پوری شریعت ہو گی یا جزوی، اگر جزوی ہو تو اس کو صحیفہ کہتے ہیں، اور اگر پوری شریعت ہو تو آسمانی کتابیں ہیں"[43]۔

التباس اور شبہات کا ازالہ کرنا

تدریس کے دوران اگر متشابہ الفاظ آجائیں، تو ان کی وضاحت کرنی چاہیے، جیسے علم احسان[44]، علمِ تزکیہ، علمِ زہد اور علمِ تصوف ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں، اب طلبہ کو اگر اس کی وضاحت نہ ہو جائے تو وہ حیران ہوں گے، اس لئے شاہ صاحب نے التباس کو ختم کرنے کے حوالے سے فرمایا:

> "تفریق ملتبِس یعنی اگر دو چیزیں یا دو مسئلے ظاہری نظر میں ایک دوسرے سے مشابہ ہوں یا ملتے جلتے ہوں یا دو مخالف مذہب دیکھنے میں ایک جیسے لگتے ہوں تو ان کے درمیان اختلاف واضح کر دینا ضروری ہے تاکہ فرق معلوم ہو جائے"۔

شاہ ولی اللہؒ استاد کے لئے یہ اصول قرار دیتے ہیں، کہ وہ درس کے دوران وارد شبہات کا اِزالہ کرے گا، اور طلبہ کے اشکالات کو دور کر کے سبق پڑھائے گا۔ قرآن نے بھی واقعۂ موسیٰ وخضر علیہما السلام سے عملاً یہ تعلیم دی ہے کہ استاد کو بالترتیب اشکالات کے جوابات دینے چاہئیں، جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اشکالات کے بالترتیب جوابات دیئے[45]۔ اس اصول کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں:

> "دوران تدریس ظاہری طور پر وارد ہونے والے شبہات کا اِزالہ کیا جائے۔ مثال کے طور پر تعریفات میں استدراک یعنی کسی مخفی شئے سے کسی چیز کی تعریف کرنا اور تعریف کا جامع مانع نہ ہونا۔ مدرس کو چاہئے کہ شاگردوں کو مصنف کے کلام میں وارد شبہات کا ازالہ کرے"[46]۔

تعارض میں تطبیق

تدریس کے دوران تعارض کو دفع کرنا ضروری ہے، مثلاً ایک استاد تفسیر پڑھاتا ہے تو قرآن کریم میں ایک ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى"[47] رحمٰن عرش پر مستوی ہو گیا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيد"[48] ہم ان کی رگ جان سے زیادہ قریب ہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

"وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ"[49] ہم ان کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

تو ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے قرب اور بعد اسی طرح قیام اور اِستویٰ کو بیان کیا گیا ہے، لیکن اس کی حقیقت واضح نہیں کی گئی، اب اس تعارض کو امام ابو حنیفہؒ نے ان الفاظ میں حل کیا ہے:

"وَلَيْسَ قرب الله تَعَالَى وَلَا بعده من طَرِيق طول الْمسَافَة وقصرها وَلَكِن على معنى الْكَرَامَة والهوان والمطيع قريب مِنْهُ بِلَا كَيفَ والعاصي بعيد مِنْهُ بِلَا كَيفَ والقرب والبعد والإقبال يَقع على المناجي وَكَذَلِكَ جواره فِي الْجنَّة وَالْوُقُوف بين يَدَيْهِ بِلَا كَيْفيَّة"[50]

شاہ صاحب نے سبق میں اس طرح کے تعارضات حل کرنے کے بارے میں تحریر فرمایا ہے:

"مصنف نے اگر ایک ہی مضمون کو دو جگہ ذکر کیا مگر عبارت میں اختلاف آ گیا، تو اس اختلاف کو دور کرنا چاہئے، خواہ دونوں جگہ کا اختلاف دلالت مطابقی، یا ایک دلالت مطابقی اور دوسری دلالت تضمنی، یا التزامی کے ذریعے سے ختم کیا جائے، اس اختلاف کو واضح طور پر بیان کر دینا تا کہ طالب علم کے لیے اس اختلاف کی حقیقت میں فرق کرنا اور اس کو سمجھنا آسان ہو جائے[51]۔"

مقدَر عبارات وسوالات کی وضاحت اور توجیہات کی تنقیح

شاہ ولی اللہؒ کی تدریسی فکر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ استاد سبق پڑھاتے وقت مقدر عبارات کو نکال کر طلبہ کو سمجھائے۔ بعض اوقات مقدر عبارات کو نکالے بغیر مسئلے کی وضاحت نہیں ہوتی، اس لئے شاہ صاحب نے اس کی طرف اساتذہ کی توجہ مبذول کراتے ہوئے فرمایا:

"اگر کسی بات کا حوالہ دیا گیا ہو تو اس کو واضح کر دینا چاہیے، اور اگر ماتن نے متن میں کسی مقام پر صرف اتنی بات کہی ہے کہ "وفیه نظر" یعنی اس عبارت میں ایک اعتراض ہے، تو استاد طلباء کے لیے "وجہ نظر" یا اعتراض کی تقریر کو بیان کر دے اور وہ مقدر عبارت یا سوال نکال کر وضاحت کے ساتھ اس کا جواب بھی ذکر کر دے"[52]۔

استاد کو عبارت میں جہاں اختلاف نظر آئے، وہاں اس اختلاف کی توجیہ کر کے عبارت حل کیا جائے، اگر استاد عبارت حل کئے بغیر آگے بڑھا تو پھر طلبہ مشکوک رہ جائیں گے اور مدَعا تک آسانی سے نہیں پہنچ سکیں گے۔ اس لئے شاہ صاحب نے اس اصول کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

"اگر کسی عبارت میں شارِح اور ماتِن کا اختلاف رائے ہو اور اس عبارت سے دو یا زیادہ رائے نظر آ رہی ہوں اور ان کی بھی صورت ایسی ہوں کہ اگر ان دونوں باتوں کو جمع کیا جائے، تو شرع اس بات کی اجازت نہیں دیتی، تو ان دونوں باتوں کو جمع کرنے کیلئے ان کے درمیان جس قدر توجیہات ممکن ہوں، سب ذکر کر دی جائیں، ان توجیہات کی تنقیح کرنا، ان میں بہترین توجیہ واضح کرنا اور اسی طرح مشکل کو آسان طریقے سے حل کرنا اور منضبط کرنا ضروری ہے، تاکہ طلباء اصل مدعا تک آسانی سے رسائی حاصل کر سکیں"[53]۔

ترجمۂ عبارت

تدریسی اصول و مناہج میں شاہ ولی اللہؒ ایک اصول یہ ذکر کرتے ہیں کہ استاد کو چاہیے کہ وہ جس کتاب کو پڑھا رہا ہو تو صرف عبارت پر اکتفا نہ کی جائے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس عبارت کا ترجمہ بھی کروا دیا جائے، تاکہ طلبہ آسانی سے سمجھ سکیں۔ اس سلسلے میں شاہ صاحب لکھتے ہیں:

"اگر طلباء کی زبان اس تدریسی کتاب کی زبان سے مختلف ہو، تو اس عبارت کا ترجمہ کروا دیا جائے[54]۔"

آسان اور واضح طریقۂ تدریس

اس عنوان کے تحت شاہ ولی اللہؒ اصول مزج بیان کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی دورانِ تدریس استاد اپنی بات کو کتاب کے متن کی تدریس میں اس طرح ملا دے کہ دونوں ایک دوسرے کی وضاحت کر رہی ہوں اور کتاب کی عبارت استاد کی تقریر ایک جیسی محسوس ہو کر ایک دوسرے کی وضاحت کر رہی ہو[55] شاہ صاحب لکھتے ہیں:

"استاد کا اندازِ بیان مذکورہ بالا اصول کو استعمال کرتے ہوئے اس قدر آسان ہو کہ ذہن کو پریشان کرنے کے بجائے طالب علم مضمون کتاب کے قریب کرے اور اس کو سمجھنا، از بر کرنا اور لکھنا آسان ہو جائے۔ امتزاج یہ بھی ہے کہ استاد اپنی بات کو مصنف کی بات کے ساتھ ملا کر اس انداز میں طلباء کے سامنے پیش کرے کہ دونوں عبارتیں باہم مربوط اور ہم آہنگ محسوس ہونے لگیں"[56]۔

اسی طرح سبق جلد ذہن نشین کرانے کے لئے طلباء کو سبق کے دوران مفید قصے بیان کرنے چاہئے، کیونکہ انسان طبعی طور پر قصوں اور واقعات کو سننے کی رغبت رکھتا ہے، اس لیے قصہ گو کی طرف حواس چوکس ہو جاتے ہیں۔ قصوں اور واقعات کے بیان کرنے میں نفوس کی تسلی، عزائم کی پختگی، عبرت کے حصول، ماضی سے واقفیت اور واقعات حفظ کرنے کے دواعی ہوتے ہیں۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر قرآن کریم نے یہی اسلوب اختیار کیا ہے جیسا کہ سیدنا نوح، سیدنا یوسف، سیدنا موسیٰ اور سیدنا عیسیٰ علیہم السلام وغیرہ کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت بھی یہی رہا ہے۔ سیدنا خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"أَتَيْنَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ فَشَكَوْنَا إِلَيْهِ فَقُلْنَا أَلاَ تَسْتَنْصِرْ لَنَا أَلاَ تَدْعُو اللَّهَ لَنَا فَجَلَسَ مُحْمَرًّا وَجْهُهُ فَقَالَ « قَدْ كَانَ مَنْ قَبْلَكُمْ يُؤْخَذُ الرَّجُلُ فَيُحْفَرُ لَهُ فِي الأَرْضِ ثُمَّ يُؤْتَى بِالْمِنْشَارِ فَيُجْعَلُ عَلَى رَأْسِهِ فَيُجْعَلُ فِرْقَتَيْنِ مَا يَصْرِفُهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ وَيُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيدِ مَا دُونَ عَظْمِهِ مِنْ لَحْمٍ وَعَصَبٍ مَا يَصْرِفُهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ وَاللَّهِ لَيُتِمَّنَّ اللَّهُ هَذَا الأَمْرَ حَتَّى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مَا بَيْنَ صَنْعَاءَ وَحَضْرَمَوْتَ مَا يَخَافُ إِلاَّ اللَّهَ تَعَالَى وَالذِّئْبَ عَلَى غَنَمِهِ وَلَكِنَّكُمْ تَعْجَلُونَ"[57]-

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چادر اُوڑھ کر کعبہ کے سائے میں ٹیک لگائے ہوئے تھے تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کر کے فرمایا کہ آپ نے ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے نُصرت کی دعا کیوں نہیں مانگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رخسار سرخ ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ تم سے پہلے ایک آدمی پکڑ کر زمین میں اس کے لیے گڑھا کھودا جاتا تھا پھر آری لا کر اس کی سر کو دو ٹکڑے کیا جاتا تھا لیکن یہ بھی اس کو اپنے دین سے نہ پھیر سکا، لوہے کی کنگھی کے ذریعے ہڈیوں سے گوشت اور پٹے جُدا کیے جاتے تھے لیکن یہ بھی اسے اپنے دین سے نہ پھیر سکا۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ ضرور یہ حکم پورا فرمائے گا کہ ایک سوار صنعا اور حضر موت کے درمیان سفر کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور اپنی بکریوں پر بھیڑیئے کے سوا کسی سے نہیں ڈرے گا لیکن تم لوگ جلد بازی کرتے ہو۔

اسی طرح تین آدمیوں یعنی اندھے، ابرص اور گنجے کا واقعہ حدیث میں بیان ہوا ہے جس میں واقعات کے بیان کے ساتھ ساتھ عبرت، حق پر ثابت قدمی، صبر کی فضیلت اور عجلت کی مذمت کا سامان موجود ہے۔ استاذ کے لیے ضروری ہے کہ وہ صرف قصہ گوئی پر اکتفانہ کرے، بلکہ عبرت کے مواضع، فوائدِ مستنبطہ اور احکام واردہ کی توضیح و تشریح کرے۔

تعلیم میں عملی اسلوب اپنانا

درس کے دوران اسلوبِ نظری کے ساتھ جب اسلوبِ عملی ملایا جائے تو طالبِ علم کے ذہن میں معلومات راسخ کرنے اور ذہن کو نسیان سے محفوظ رکھنے کا یہ قوی ترین ذریعہ ہے۔ یہ عملی اسلوب کبھی استاذ کی طرف سے ہوتا ہے اور کبھی طالب علم کی طرف سے۔ استاذ کی طرف سے عملی اسلوب اختیار کرنے کے بارے میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"أن النبي ﷺ رأى نخامة في القبلة فشق ذلك عليه حتى رئي في وجهه فقام فحكه بيده فقال إن أحدكم إذا قام في صلاته ، فإنه يناجي ربه ، أو إن ربه بينه وبين القبلة - فلا يبزقن أحدكم قبل قبلته ولكن عن يساره ، أو تحت قدميه ثم أخذ طرف ردائه فبصق فيه ثم رد بعضه على بعض فقال : أو يفعل هكذا"[58]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے قبلہ کی طرف بلغم دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ گراں گزرا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر اس کے آثار دیکھے گئے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُٹھ کر اپنے دست مبارک سے اسے صاف کر دیا اور فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی اپنی نماز میں کھڑے ہو تو وہ اپنے رب سے مناجات کرتا ہے، یا اس کا رب اس کے اور قبلہ کے مابین ہوتا ہے۔ پس تم میں سے کوئی بھی اپنے قبلہ کی طرف نہ تھوک لے بلکہ اپنے بائیں طرف یا اپنی قدموں میں تھوکے، پھر اپنی چادر مبارک کی ایک طرف پکڑ کر اس میں تھوک لیا اور لپیٹ لیا، پس فرمایا: یا اس طرح کر لیا۔

اس میں فعلی بیان ہے تا کہ سامع کے ذہن میں راسخ ہو جائے[59]۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام، حمران سے روایت ہے:

"أنه رأى عثمان دعا بوضوء فأفرغ على يديه من إنائه فغسلهما ثلاث مرات ثم أدخل يمينه في الوضوء ثم تمضمض واستنشق واستنثر ثم غسل وجهه ثلاثا ويديه إلى المرفقين ثلاثا ثم مسح برأسه ثم غسل كل رجل ثلاثا ثم قال رأيت النبي ﷺ يتوضأ نحو وضوئي هذا"[60]

ترجمہ: انہوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وضو کے پانی کا برتن منگوا کر برتن سے اپنے ہاتھوں پر پانی ڈالا اور تین مرتبہ دھو لیے پھر اپنا داہنا ہاتھ برتن میں داخل کیا پھر منہ صاف کیا اور ناک صاف کیا پھر تین مرتبہ چہرہ اور دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھو لیے۔ پھر اپنا سر مسح کیا پھر ہر ایک پاؤں تین مرتبہ دھو لیا۔ پھر فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جو میرے وضو کی طرح وضو فرمائے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر فرمایا: "خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ لَعَلِّي لاَ أَرَاكُمْ بَعْدَ عَامِي هَذَا"[61]۔

ترجمہ: مجھ سے اپنے حج کے طریقے سیکھو۔

جدید دور میں عملی تعلیم زیادہ بلیغ اور ضبط والا طریقہ مانا جاتا ہے[62]۔ طالب علم سے عملی اسلوب اختیار کرانے کے بارے میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تو ایک آدمی نے آکر نماز پڑھی پھر آئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دے کر فرمایا کہ واپس جاکر نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی ہے۔ اس نے واپس آکر اسی طرح نماز پڑھی جس طرح پہلے پڑھ چکا تھا۔ پھر آئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وعلیکم السلام کہہ کر فرمایا کہ واپس جاکر نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی ہے۔ یہاں تک کہ تین مرتبہ ایسا کیا۔ اس آدمی نے عرض کیا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو برحق بھیجا ہے اس کے علاوہ اچھا طریقہ کون سا ہے مجھے بتا دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم نماز کو کھڑے ہو جاؤ تو اللہ اکبر کہو پھر قرآن کریم میں سے جو تمہیں آسان ہو تلاوت کرو، پھر رکوع کرو یہاں تک کہ تم مطمئن ہو جاو پھر سر اٹھاو یہاں تک کہ برابر کھڑے ہو جاو، پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ تم مطمئن ہو جاو، پھر سجدہ سے اٹھ کر اطمینان سے بیٹھ جاو، پھر اپنی تمام نماز میں اسی طرح کیجیے"[63]۔

امام نوویؒ نے فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کو اوّلاً اس لیے نہیں بتایا تاکہ اس کے ذہن میں نماز کے دونوں طریقوں کے درمیان فرق سمجھ میں آئے۔[64] سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ وَقْتِ صَلاَةِ الْفَجْرِ ، فَأَمَرَ بِلاَلاً فَأَذَّنَ لِصَلاَةِ الْفَجْرِ ، ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْغَدِ أَخَّرَ حَتَّى أَسْفَرَ ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ فَصَلَّى ، فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ : أَيْنَ السَّائِلُ ؟ فَقَامَ الرَّجُلُ فَقَالَ مَا بَيْنَ هَذَا وَهَذَا وَقْتٌ"[65]۔

ترجمہ: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فجر کی نماز کے وقت کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال کو صبح کی اذان کا حکم کیا پھر آپ نے نماز ادا کی پھر دوسرے دن آپ نے نماز کو مؤخر کیا حتی کہ خوب روشنی ظاہر ہوئی تو آپ نے نماز ادا کی اور جب آپ فارغ ہوئے تو پوچھا کہ وہ سائل کہاں ہے تو وہ شخص کھڑا ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان دو وقتوں کے درمیان فجر کے نماز کا وقت ہے۔ بعض دفعہ عملی بیان قولی بیان سے زیادہ موثر ہوتا ہے[66]۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:"ليس الخبر كالمعاينة"[67]خبر معائنہ کی طرح نہیں ہوتی۔

اختتام سبق پر ہدایات

شاہ ولی اللہؒ نے اس رسالے کے آخر میں چند ہدایات بیان کی ہیں، کہ جو استاد تدریسی میدان میں مذکورہ پندرہ اصول پیش نظر رکھ کر تدریس کرے گا تو طلباء کو فائدہ ہونے لگے گا اور اس کی تدریس میں آسانی ہونے لگے گی۔اس لئے استاد کو چاہئے کہ وہ اپنے ہر سبق کے آخر میں اپنے شاگردوں کو مندرجہ اصول پیش نظر رکھتے ہوئے ہدایات دیا کرے۔

اجمالی طور پر سارے سبق کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے بات واضح کردے کہ ہم نے کیا پڑھا،اس کا خلاصہ کیا ہے اور ہماری اس تعلیم کا مقصد اور اس کا مدعا کیا ہے؟شروحات کا مطالعہ کریں تو انہیں آگاہ کردے کہ شارح کی غرض شرح کرتے ہوئے کیا ہے؟ اور ماتن کی غرض متن کیا تھی اور متن کیا تھی اور متن میں ماتن اور شارح کیا کہنا چاہتے ہیں؟استاد طلباء کی رہنمائی کرے کہ وہ مندرجہ بالا اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے تعلیم حاصل کریں۔آغاز سبق سے پہلے شاگردوں کو موقع دے تاکہ وہ واضح کرسکیں کہ انہوں نے کیا مطالعہ کیا ہے۔اگر ان کے مطالعہ میں کوئی غلطی معلوم ہوجائے تو اس کی نشاندہی کرنی چاہیئے،ایسانہ ہو کہ استاد تو کہے کہ غلط ہے مگر شاگرد کو کچھ پتہ نہ چلے کہ غلطی کیا ہے؟اور کیوں ہے؟اگر ہوسکے تو اس کو مثال کے ذریعے واضح کردے اور غلطی کی صورت بنا کر واضح کردے۔آخر میں طلبہ کسی کتاب کی شرح یاحاشیہ تحریر کروائے تاکہ اس کی علمیت معلوم کرنے کا کوئی طریقہ نکالے تاکہ شاگرد کی علمیت کا صحیح اندازہ ہوجائے اور شاگرد کی تربیتِ علمی کا حق صحیح طریقہ پر ادا ہوسکے[68]۔

خلاصۂ بحث

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حصول تعلیم کے ذرائع میں درس وتدریس ایک اہم ذریعہ ہے،جسے مفید بنانے کے لئے اصولِ تدریس کے فن سے استفادہ ضروری ہے۔یہ ایک قدیم فن ہے،جس کے اصول قرآن وسنت سے مستنبَط ہیں۔اس فن میں کئی لوگوں نے کتابیں لکھی ہیں،مگر برِصغیر پاک وہند میں اسے متعارف کرانے کا سہرا شاہ ولی اللہؒ کے سر جاتاہے،کیونکہ آپ نے یہاں پر سب سے پہلے اس فن میں "فنِ دانشمندی"نامی کتاب لکھی۔آپ نے اس کتاب میں اس فن کے جو اصول ذکر کئے،وہ درج ذیل ہیں:

طالب علم کو حصولِ علم کے لیے متوجہ کرنا، قلیل الاستعمال الفاظ کی توضیح اور مشکل عبارات کی تسہیل، مثال سے مسئلے کی وضاحت، زیر بحث موضوع کا اجمالی خاکہ اوروجہ حصر بیان کرنا، اصطلاحات کی تعریف اور قواعد کی وضاحت، مقدرَ عبارات وسوالات کی وضاحت اور توجیہات کی تنقیح آسان اور واضح طریقۂ تدریس اختیار کرنا، تعلیم میں عملی اسلوب اپنانا۔شاہ ولی اللہؒ کے مطابق جو استاد تدریس میں ان اصول کا لحاظ رکھے گا تو طلباء اس سے زیادہ مستفید ہوں گے۔

حواشی ومصادر

1 عن عبد الله بن مسعود،قال:قال رسول الله ﷺ:طلب العلم فريضة على كل مسلم. (الطبراني،سليمان بن أحمد،المعجم الكبير للطبراني،ج10،ص240،دار إحياء التراث العربي بيروت،الطبعة : الثانية،1983م

2 دھلوی، شاہ ولی اللہ، فن دانشمندی، ص2، مشتاق پریس لاہور، 2011ء

3 رشید احمد علوی، اسلامی اصول تعلیم، حاشیہ فن دانشمندی، ص83، جمعیت پبلی کیشنز لاہور، 2011ء

4 فن دانشمندی، ص6

5 ایضاً: ص7

6 البخاری،أبوعبدالله محمدبن اسماعیل،جامع صحیح البخاری،کتاب(3)باب حفظ العلم(43)حدیث121،دارطوق النجاة،1422ھ

7 ایضاً:کتاب الجمعة(13)باب من قال فی الخطبة بعد الثناء اما بعد(28)حدیث927

8 صحیح مسلم،أبوعبدالله مسلم بن الحجاج القشیری،صحیح مسلم ،کتاب الحدود (30)باب حد الزنا(3)،حدیث4509،داراحیاء التراث العربی،بیروت(س۔ن)

9 الترمذی،أبوعیسیٰ محمدبن عیسیٰ،سنن ترمذی،کتاب المناقب عن رسول الله صلی الله علیه و سلم(50)باب فی کلام النبی صلی الله علیه و سلم،ح3639،شرکة مکتبة ومطبعة مصطفی البابي الحلبي،مصر،1975ء

10 الترمذی،کتاب البر والصلة عن رسول الله صلی الله علیه و سلم(28)باب ما جاء في معالي الأخلاق(71)حدیث2018

11 أبوداؤد،سلیمان بن أشعث،سنن ابی داود،کتاب الآداب(42)باب مَا جَاءَ فِي الْمُتَشَدِّقِ فِي الْكَلاَمِ،حدیث5007،المکتبة العصریة،صیدا بیروت (س-ن)

12 البخاری،کتاب العلم(3)بابمن رفع صوته بالعلم(3)حدیث60

13 صحیح مسلم،کتاب الجمعة(8)باب تَخْفِيفِ الصَّلاَةِ وَالْخُطْبَةِ(14)حدیث2042

14 البخاری،کتاب الجمعة(13)باب إذا رأى الإمام رجلا جاء وهو يخطب أمره أن يصلي ركعتين(31)حدیث930

15 ایضاً:کتاب الجمعة(13)باب يستقبل الإمام القوم واستقبال الناس الإمام إذا خطب(27)حدیث921

16 ایضاً:کتاب الادب(82)باب ما یجوز من الغضب والشدة لأمر الله(75)حدیث6109

17 ایضاً:کتاب الصلوٰة(8)بابحك البزاق باليد من المسجد(33)حدیث405

18 النسفی،عبد الله بن أحمد،کنز الدقائق،ص 142،دار البشائر الإسلامیه،2011ء

19 فن دانشمندی،ص14

20 نعمان بن ثابت،امام أبوحنیفه،الفقه الأکبر،ص26،مکتبه الفرقان،الامارات العربیه،1419ھ/ 1999ء

21 شئے کی وضاحت کرتے ہوئے امام ابو حنیفہؒ لکھتے ہیں:وَمعنى الشَّيْء الثَّابِت بِلَا جسم وَلَا جَوْهَر وَلَا عرض(الفقه الأکبر،ص26)

22 فن دانشمندی،ص16

23 البقرۃ:124

24 العادیات:4

25 فن دانشمندی،ص17

26 النووی، أبوزکریامحیی الدین یحیی بن شرف، المنہاج شرح صحیح مسلم
ج8، ص120، داراحیاء التراث العربی، بیروت(س۔ن)

27 صحیح مسلم، کتاب وُجُوبِ الرِّوَايَةِ عَنِ الثِّقَاتِ وَتَرْكِ الْكَذَّابِينَ(1)باب النَّهْيِ عَنِ الْحَدِيثِ بِكُلِّ مَا سَمِعَ (3)حديث14

28 غزالی، محمد بن محمد، امام، احیاء علوم الدین، ج1، ص57، دارالمعرفۃ، بیروت(س۔ن)

29 مقدسی، محمد بن مفلح، الأداب الشرعية، ج2، ص151، موسسة الرسالة، بیروت، 1999ء

30 أحمد، احمدبن حنبل الشیبانی، مسند أحمد بن حنبل
ج5، ص256، حدیث22265، مؤسسة الرسالہ، بیروت1422ھ

31 امام نسائی، أحمد بن شعيب، سنن نسائی، كتاب الطلاق(27)باب إِذَا عَرَّضَ بِامْرَأَتِهِ وَشَكَّتْ فِي وَلَدِهِ وَأَرَادَ الِانْتِفَاءَ مِنْهُ(46)حدیث3426مکتب المطبوعات الإسلامية، حلب، 1406ھ/ 1986ء

32 ابراہیم:24-25

33 ابن قیم، محمد بن ابی بکر، الامثال فی القرآن، ج1، ص37، دارالکتب العلمیہ، بیروت(س۔ن)

34 البخاری، کتاب المناقب(64)بابخاتم النبیین ﷺ(17)حدیث3535

35 ایضاً: ص18

36 ایضاً: القراءة والعرض على المحدث، حديث62

37 فنِ دانشمندی، ص19

38 یہ مولانا محمد علی تھانوی کی کتاب ہے، جو اصطلاحات کی فن میں ایک مستند کتاب شمار کی جاتی ہے۔

39 فنِ دانشمندی، ص20

40 أبو بكر محمد بن السری، الأصول فی النحو، ج1، ص35، مؤسسة الرسالة بیروت (س۔ن)

41 فنِ دانشمندی، ص21

42 ایضاً: ص23

43 اسلامی اصول تعلیم، ص102-103

44 الإحسان هو التحقق بالعبودية على مشاهدة حضرة الربوبية بنور البصيرة أي رؤية الحق موصوفا بصفاته بعين صفته فهو يراه يقينا ولا يراه حقيقة(الجرجانی،علی بن محمد ،التعریفات،ص27،دار الکتاب العربی، بیروت،1405ھ)

45 الطبری،محمد بن جریر،تفسیر الطبری،ج18،ص82،مؤسسه الرساله بیروت،2000ء

46 فن دانشمندی،ص25

47 طٰہٰ:20

48 ق:16

49 الواقعہ:85

50 الفقه الأکبر،ص67

51 فن دانشمندی،ص24

52 ایضاً:ص26

53 ایضاً:ص28

54 ایضاً:ص27

55 اسلامی اصول تعلیم،ص111

56 ایضاً:ص29

57 سنن أبی داود،کتاب الجهاد(15)باب فِی الأَسِیرِ یُکْرَهُ عَلَی الْکُفْرِ(107)حدیث2651

58 البخاری،کتاب الصلوٰۃ(8)بابحك البزاق بالید من المسجد(33)حدیث405

59 العینی،بدرالدین،عمدة القاری،ج6،ص396،دارلکتب العلمیه، بیروت،2006ء

60 البخاری،کتاب الوضوء(4)باب المضمضة فی الوضوء (29)حدیث164

61 البیہقی،أحمد بن حسین،السنن الکبری،ج5،ص135،باب الإِیضَاعِ فِی وَادِی مُحَسِّرٍ(203)،حدیث9796، مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ،حیدر آباد،1344ھ

62 العسقلانی،أحمد بن علی بن حجر،فتح الباری شرح صحیح بخاری، ج1،ص261،دارالمعرفة، بیروت،1379ھ

63 البخاری،کتاب الصلوٰۃ(4)باب أمر النبی ﷺ الذي لا یتم رکوعه بالإعادة (40)حدیث793

64 المنهاج شرح صحيح مسلم، ج2، ص123

65 ابو يعلى، أحمد بن على، مسند أبى يعلى، ج4، ص71، حديث3862، دارالمامون للتراث، بيروت(س-ن)

66 نميرى، يوسف بن عبدالله، التمهيد لما فى الموطا من المعانى والاسانيد، ج4، ص334، موسسة الرسالة، بيروت(س-ن)

67 مسند أحمد، امام أحمد بن حنبل، ج1، ص215

68 ایضاً: ج1، ص30